© rasailojaraid.com

اسلامی نظمِ جماعت

نعیم صدیقی

کسی بڑی مہم میں کوئی بھی جماعت اگر اس حالت میں شریک ہو کہ اس کا نظم ڈھیلا ہو تو اس کو اس موٹر گاڑی کا سا انجام پیش آسکتا ہے جس کے پرزے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک کسے ہوئے نہ ہوں اور ڈرائیور اسے پہاڑی اور ریگستانی راستوں پر ایک لمبا سفر طے کرنے کے لیے لے کر نکلے' اور پھر سفر میں جانے کے بعد قدم قدم پر اسے مشکلات کا سامنا ہو' یہاں تک کہ گاڑی کی مشین کسی نازک مرحلے پر بالکل ہی جواب دے دے۔

نظمِ جماعت بلاشبہ ہر جماعت کے لیے ایک طبعی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے' لیکن ہماری نگاہ میں طبعی ضرورت کے علاوہ اس کی حیثیت عین دین و اخلاق کی اور اللہ کی عبادت کی اور رسول کریم علیہ التحیہ والسلام کی اطاعت کی ہے' اس وجہ سے دوسروں کے ہاں نظم کی کمزوری صرف اس لیے ناگوار ہوتی ہے کہ وہ کام میں حائل ہوتی ہے' لیکن ہمارے لیے تو وہ ایسی معصیت ہے جو عاقبت کو خراب کر دینے والی ہے۔ پس نظمِ جماعت کو کسے رکھنا اور اس کے لیے ہر رفیق کا پاسبان بن کے کھڑے رہنا ضروری ہے۔

نظمِ جماعت کے سلسلے میں چند اہم امور کا تذکرہ کر دینا مناسب ہوگا:

اربابِ امر کی اطاعت

۱۔ نظمِ جماعت کی ریڑھ کی ہڈی' امر و اطاعت کا توازن ہے۔ یہ توازن برقرار نہ رہے تو پھر نظمِ جماعت کے سرے سے کوئی معنی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر و اطاعت کے توازن کو درہم برہم کر دینا گناہ کبیرہ ہے' جو عین خدا و رسولؐ کی نافرمانی ہے اور جس کے بعد دنیا و آخرت کی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کا مطالبہ یہ ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء ۴: ۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم (اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں) میں سے جو لوگ اولی الامر قرار پائیں، ان کی اطاعت کرو۔

واضح رہے کہ یہ تینوں اطاعتیں واجب ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کا ترک، ایک مسلم کو خسران کے مقام پر لے آتا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی (بخاری و مسلم)

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے (یعنی آنحضورؐ کے مقرر کردہ یا آنحضورؐ کی پیروی کرنے والے) امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا ایک قول جو اسی مدعا کی وضاحت کرتا ہے 'عقد الفرید' میں یوں درج ہے:

ان طاعۃ الائمۃ من طاعۃ اللہ وعصیانھم من عصیان اللہ

بلاشبہ آئمہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

بے شمار احادیث و روایات، جو اس سلسلے میں قطعی الاحکام ہیں، کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ ان سب کا مدعا ہے کہ اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے یا اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے جو نظمِ جماعت اسلامی آئین و حدود پر قائم ہو، اس میں جو لوگ اسلامی معیارِ قیادت کے پیش نظر اپنے علم و تقویٰ میں ارفع ہونے کی بنا پر امارت کے لیے منتخب کیے گئے ہوں، ان کی اطاعت (فی المعروف) کرنا اہم ترین شرعی فرائض و واجبات میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیؐ نے صاف صاف فرمایا کہ اگر نکٹا حبشی بھی امارت کے مقام پر سرفراز ہو تو باوجودیکہ اس کی شکل و صورت، اس کا نسلی و نسبی مقام، تمدنی آداب و رسوم میں اس کا ذوق، جذبات اور حسیات میں اس کا مخصوص رجحان کسی کو چاہے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو، اس کی پوری پوری اطاعت کرنا ضروری ہے۔ نبی صلعم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس مطالبۂ اطاعتِ امیر سے جو لوگ روگردانی کریں، ان کے تقویٰ کی بڑی سے بڑی مقدار بھی انھیں آخرت کی کامرانی سے ہمکنار نہ کرسکے گی۔

من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ لہ (صحیح مسلم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کسی نے اطاعتِ امر سے اپنا ہاتھ چھڑالیا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ (اپنے آپ کو برسرِحق ثابت کرنے کے لیے) اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔

ان اشارات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظامِ جماعت میں نظامِ امارت کی حیثیت وہ نہیں جو عام دنیا پرست سیاسی جماعتوں کے صدروں، نائب صدروں، صوبائی اور ضلعی ناظمین اور ان کے مشیروں کی ہوتی ہے۔ بلکہ اسلامی نظامِ امارت میں امیر، نائب امرا، صوبائی ضلعی اور مقامی امرا، دوسرے ناظمینِ شعبہ جات اور ان کے ارکانِ شوریٰ کا مقام ایک خاص طرح کا شرعی اور دینی مقام ہوتا ہے، جس کے حقوق و واجبات بھی شرعی اور دینی ہیں، نہ کہ مصلحتی۔ ان وجوہ سے اسلامی نظامِ امارت کی اطاعت کا معاملہ ویسا نہیں ہے جیسا سیاسی پارٹیوں میں ہوتا ہے۔

جب تک اسلامی نظامِ جماعت کے اربابِ امر کتاب و سنت سے کھلا کھلا انحراف نہ کریں، ان کے احکام اور ان کی ہدایات سے سرتابی کرنا، یا ان کی اطاعت بہ طوع و رغبت کرنے کے بجائے بددلی کے ساتھ کرنا، یا ان کے لیے خیر خواہانہ جذبات رکھنے کے بجائے کینہ و نفرت کے جذبات دلوں میں رکھنا، ان کے خلاف سازشیں کرنا، ان کی غیبت کرنا، ان کے متعلق بددلی پھیلانا، ان کو واقعات و احوال سے آگاہ کرنے میں اور راہ صواب پر چلنے کے لیے صحیح مشورے دینے میں بخل دکھانا، اور ان کے سوچے ہوئے رازوں کو نشر کرنا، یہ سب کچھ کبیرہ گناہوں میں داخل ہے۔ اور یہ ایسے کبائر ہیں کہ ان کی وجہ سے عبادت کی انجام دہی اور عام اخلاق کی درستی کے باوجود آدمی کی عاقبت تباہ ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے اسلامی نظامِ جماعت کے اندر چلنے والوں کو طاعتِ امرا کے معاملے میں بہت محتاط ہونا چاہیے۔

اربابِ امر پر تنقید اور اس کی حدود

اسلام نے اندھی اطاعت کا مطالبہ یقیناً نہیں کیا ہے، بلکہ وہ صرف "اطاعت فی المعروف" چاہتا ہے۔ معروف کی حدود سے باہر اس کا حکم "لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" کا ہے۔ اسلامی نظامِ جماعت اس کا مقتضی ہے کہ اس کے سارے ارکان امرا کی روش پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں معروف کی حدود سے کوئی قدم نہ نکالنے دیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے فرمایا تھا:

یا ایها الناس! من رأی منکم فی اعوجاجا فلیقومه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے لوگو! تم میں سے جو کوئی میرے رویے میں کوئی کجی دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ میری اس کجی کو سیدھا کردے۔

اس سلسلے میں کسی امرِ اجتہاد میں اگر اختلاف ہو تو اسے صاف کرنے کے لیے اسے پیش کرنے کا' اس پر بحث کرنے کا' اور اگر صاف نہ ہوسکے تو اس پر قائم رہنے کا حق بھی جماعتِ اسلامی کے ارکان کو از روئے شریعت حاصل ہے' لیکن اطاعت بہرحال اسی فیصلے کی کرنی لازم ہے جو اربابِ امر کی طرف سے نافذ العمل ہو۔ طاعت کا قلادہ گردن سے نکالنے کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ فیصلہ میری رائے کے خلاف کیوں ہوا' اور حالات کو اس نظر سے نہیں دیکھا گیا کہ جس نظر سے میں دیکھتا ہوں۔ طاعت کا قلادہ صرف اسی صورت میں نکالا جاسکتا ہے جب کہ بالفاظ رسالتمابؐ "ان تروا کفراً بواحاً" اسلام سے کھلا کھلا انحراف پایا جائے۔

امرا کو راہ حق پر سیدھا رکھنے کے لیے تنقید بھی مامورین کا ایک بنیادی حق ہے' لیکن اسلامی نظام جماعت میں تنقید اس سوئے ظن کے ساتھ کرنا جو سیاسی جماعتوں کا خاصہ ہے' غیر اسلامی طریق کار ہے۔ اسلامی نظام میں تنقید حسن ظن کے ساتھ ہوتی ہے' اور اس میں اعتراض اور شکایت کے انداز کی بجائے خیر خواہانہ مشورہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ اسلامی جماعت میں تنقید کا صرف وہی پاکیزہ اسلوب کھپ سکتا ہے کہ جس میں نہ ناقد کے اندر تلخ جذبات کام کر رہے ہوں اور نہ مخاطب میں اس سے کراہت پیدا ہو' وہ کہ جس میں کوئی انتقامی اسپرٹ شامل نہ ہو' اور وہ کہ جس میں اپنی بات منوانے کی ضد کا اثر نہ ہو' اور وہ کہ جس کے قبول نہ کیے جانے پر آدمی پر بددلی کا دورہ نہ پڑجائے۔ پھر اسلامی تنقید کی شان یہ ہے کہ وہ رو در رو ہوتی ہے' نہ کہ پس پشت۔ پس پشت اگر کچھ کہا جائے تو وہ غیبت ہے' نہ کہ تنقید' غیبت اسلامی نظام سے پرلے درجے کی بدخواہی ہے' حالانکہ تنقید اس کی بہترین خیر خواہی ہے' ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی نظام جماعت میں امرا پر جتنے زیادہ اور صاف سے صاف الفاظ میں تنقید کی جائے' اتنا ہی جماعت کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہرحال حفظ مراتب کے اسلامی اخلاق کے خلاف ہے کہ امرا پر طنز و تعریض کے چبھتے ہوئے فقرے کسے جائیں' ان کے لیے احترام سے ہٹے ہوئے فقرے استعمال کرکے دلوں کا بخار نکالا جائے' ان کا مذاق اڑایا جائے' یا ان کی کمزوریوں کا ذکر کر کر کے مزے لیے جائیں۔

حق تنقید کا یہ استعمال بھی مفسدہ انگیز ہوتا ہے کہ اس پر قانونی بندشیں نہ ہونے کی وجہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے مستقل پیشہ بنا لیا جائے' اور اولی الامر کی ہر حرکت' ہر عمل اور ہر فیصلے پر' بلکہ ان کے ایک ایک فقرے پر جا و بے جا گرفت کرنے کا سلسلہ شروع ہو جائے' اور ان سے ہر امر کے متعلق مطالبہ کیا جائے کہ اس کے پورے پورے دلائل بیان کرو۔ یہ حالت اگر پیدا ہو جائے تو امارت کی ذمہ داری کو لے کر کوئی انسان بھی ایک دن نہیں چل سکتا۔ پھر تو زمام امر ہاتھ میں لینے والے کا کام یہی رہ جائے گا کہ وہ مامورین کے سامنے بیٹھا جواب دہی کرتا رہے اور ان کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے اپنے ایک ایک جملے اور ایک ایک فعل کا تفصیلی تجزیہ کر کے سمجھاتا رہے کہ اس میں کوئی قابل شکایت چیز نہیں ہے۔

ان سطور کے پیش نظر اگر سوچا جائے تو اندازہ ہو گا کہ امرا کے مقابلے میں حق نصح یا حق تنقید استعمال کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنا بہت ہی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ اس احتیاط کے تقاضے سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو آدمی تنقید کا حق غلط اسلوب سے استعمال کرتے ہوئے نظام جماعت کے لیے ایک خطرناک روگ بن سکتا ہے' اور خود اس کی عاقبت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

غلط تنقید کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ طاعت میں حائل ہو جاتی ہے' اور ایک شخص نظام امارت کے حقوق میں کھلی کھلی خیانت کرنے پر اتر آتا ہے۔ پس طاعت اپنی جگہ پر' اور تنقید اپنی جگہ پر رہنی چاہیے' طاعت کو ختم کرنے والی چیز معصیت خالق کے ظہور کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

اربابِ امر کی شخصیات اور ان کی تبدیلی

نظامِ طاعت کی پابندی میں شخصیتوں کے ادل بدل سے کوئی فرق نہیں لایا جا سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت کے وسیع نظامِ امارت کا بار اٹھانے والی ایک بڑی ٹیم کے افراد میں سے کوئی اونچا ہو' کوئی نیچا' کسی کا علم زیادہ ہو' کسی کا تقویٰ' کسی کو دورِ جدید کے خاص تقاضوں پر زیادہ دسترس ہو اور کسی کو قرونِ اولیٰ کے شئون کی گہری بصیرت حاصل ہو' کسی کی نگاہ احکامِ شریعت کے ظاہر پر زیادہ رہتی ہو اور کوئی احکام کی حکمتوں کا لحاظ رکھنے میں خاص توجہ دے' کسی کے نزدیک تحریک کا ایک پہلو زیادہ اہمیت رکھتا ہو' کسی کے نزدیک' دوسرا پہلو اوّلین توجہ چاہتا ہو۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا مزاج ذرا سخت ہو کسی کا نرم' کوئی زیادہ بے تکلفی کو پسند کرتا ہو کوئی باوقار مسلک کا خوگر ہو' کوئی گرمیِ گفتار کو پسند کرے اور کوئی خاموشی سے کام کرنے والا ہو۔ پھر لباس' وضع قطع' نشست و برخاست' کھانے پینے وغیرہ وظائف زندگی میں مختلف افراد کے ذوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف ہوسکتے ہیں۔ شخصی ذوق، رجحان اور طبیعت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو ایک نظامِ جماعت کی مجموعی پالیسی کی وحدت کے باوجود اپنا کام ایک خاص حد تک کرتے ہیں۔ ان فروق و اختلافات کی وجہ سے مختلف اہلِ امر کی حیثیتیں مختلف نہیں ہوجاتیں کہ ہر ایک کے حقوقِ طاعت میں کمی بیشی کی جاسکے، اور اگر ان میں ادل بدل ہوجائے تو لوگ اس امر کی جستجو کریں کہ فلاں میں وہ ذوق اور وہ اطوار کیوں نہیں ہیں جو فلاں میں ہیں! اور جب ایک قسم کے طرزِ عمل سے مانوس ہوجانے کے بعد کوئی ادل بدل واقع ہو تو طبائع میں اضطراب نمودار ہو اور حرکت و عمل کی رفتار سست پڑنے لگے۔ اسی مفسدے کے سدباب کے لیے نبی صلعم نے یہ ہدایت دی تھی کہ ایک نکٹا حبشی بھی اگر کسی امر میں تمہارا امام ہو تو **"فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا"** پر عمل کرو، اور یہ نہ دیکھو کہ اس کی صورت کیسی ہے اور اس کا لباس کیسا ہے، اور اس کے ذوق اور آداب و شعائر کس طرح کے ہیں۔ طاعت کو شریعت نے اس امر پر منحصر نہیں کیا ہے کہ اہلِ امر کا شخصی ذوق و رجحان ہر پہلو سے مامورین کی منشا کے مطابق ہو۔

اسلامی تحریک شخصیتوں کے محور پر نہیں گھومتی بلکہ ایک وقت میں اگر نبیؐ کی رہنمائی میں چلتی ہے، تو دوسرے وقت حضرت صدیقؓ **"وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم"** کے کلمات بلند کرتے ہوئے آتے ہیں اور تحریک کی باگ دوڑ سنبھال لیتے ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ جیسا سخت مزاج خلیفہ اس کی عنانِ قیادت تھامتا ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ جیسی حلیم ہستی اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لیتی ہے۔ اور پھر حضرت علیؓ اپنی خصوصیات کے ساتھ اس کی سربراہ کاری کرتے ہیں —— اس سارے ادل بدل میں نظامِ اطاعت کی فرضیت بحال رہتی ہے، اور اسے توڑنا ایک ہی طرح کا گناہ کبیرہ رہتا ہے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولیے کہ ہمیں مرکزی، صوبائی، ضلعی اور مقامی امارت کی اطاعت، شخصیتوں کے پیشِ نظر نہیں بلکہ ان مناصب کی شرعی حیثیت کے پیشِ نظر، کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ پس شخصیتیں حالات و ضروریات کے ماتحت چاہے روزانہ بدلتی رہیں، لیکن خدا اور رسولؐ نے امارت کے جو حقوق ہمارے اوپر واجب ٹھہرائے ہیں ان کی ادائی پوری دیانتداری کے ساتھ یکساں جاری رہنی چاہیے۔

اہلِ امر کی ذمہ داریاں

اب تک مامورین کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے مقابل دوسری طرف اہلِ امر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمہ داریاں ان سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ جب تک اہلِ امر اپنے حصے کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہتمام نہ کریں نظام امر و اطاعت کا توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔ مامورین کے مقابلے میں اہلِ امر کی اُخروی باز پرس بھی زیادہ شدید قسم کی ہوگی، اور دنیا میں تحریکِ اسلامی کی کامیابی کا زیادہ دار و مدار بھی ان کی صحتِ کار پر ہوتا ہے۔ خود مامورین، اطاعت پر صحیح معنوں میں اسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں، جب اہلِ امر اپنے حصے کے فرض ----- یعنی امر ----- کے معاملے میں اپنے فرائض کو ٹھیک ادا کریں۔

اس سلسلے میں ذیل کی آیت بہترین رہنمائی کرتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی شان امارت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

یہ کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ آپؐ ان (مسلمانوں) کے لیے نرم خو ہیں اور اگر آپؐ درشت کلام اور تلخ مزاج ہوتے تو یہ آپؐ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان کی غلطیوں سے درگزر کیجیے، ان کے لیے بخشش طلب کیجیے، اور معاملات میں ان سے مشورے لیجیے، پھر جب آپؐ (مشورے کے بعد) کسی بات کا تہیہ کرلیں تو اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ (اپنے اوپر) بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اس آیت میں نبیؐ کی پیروی میں کام کرنے والے ان تمام اہلِ امر کے لیے وہ بنیادی ہدایت دے دی گئی ہے جس کو ملحوظ رکھے بغیر اسلامی جماعت کا نظام خوبی سے کام نہیں کر سکتا۔ اسلامی امارت کے ہر فرد کو اس آیت کی روشنی میں جن امور کا پابند رہنا چاہیے اور جن کے مطابق اپنے مزاج کو ڈھالنا چاہیے وہ یہ ہیں:

۱- نرم خوئی:

کوئی امارت اپنا صحیح وظیفہ کامیابی سے سرانجام نہیں دے سکتی، جب تک کہ اس میں بلا امتیاز جملہ رفقائے جماعت کے لیے لینت، شفقت اور نرم خوئی کا وصف موجود نہ ہو۔ اسلامی نظام امارت کے ارکان کا رویہ ایسی جماعت گیر شفقت پر مشتمل ہونا چاہیے کہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ اعتماد شاید مجھی کو حاصل ہے۔ کسی شخص کو اپنے دل کی بات کہنے میں جھجک نہ ہو، کسی کو حلقۂ اہلِ امر میں داخل ہوتے ہوئے کوئی ذہنی احساس مانع نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو' اور کسی فرد کو کوئی اونچ نیچ محسوس نہ ہو۔ یہ چیز جہاں نہیں ہوتی وہاں اہلِ امر اور مامورین میں ذہنی قلبی اور مجلسی بعد پیدا ہوتا جاتا ہے' اور رفاقت کی روح میں کمزوری آنے لگتی ہے۔ یہی حقیقت تھی جسے علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا تھا۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ میرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

بس یہی خوئے دلنوازی ہے جس کا مطالبہ یہ آیت کرتی ہے۔

خوئے دلنوازی کے اس مطالبے سے یہ مراد لینا ایک زیادتی ہوگی کہ امیر کسی معاملے میں سختی نہ کریں' کسی کوتاہی پر باز پرس نہ کریں' کسی نازیبا حرکت پر ٹوکتے نہ پائیں' اور ایک ایک رکنِ جماعت کی خوشامد کرتے پھریں۔ بخلاف اس کے حکمت و مصلحت کے مطابق جہاں شدت و غلظت سے کام لینے کے مواقع آئیں' وہاں سختی کرنے کا تلخ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرنا جماعت کے مفاد کے خلاف ہوگا' امارت کو اصول' مقصد اور نظم کی پاسبانی میں رفقا سے بسا اوقات تحکم کا رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے' لیکن اس کی رُوح رحمت و شفقت کی روح ہوتی ہے' اگرچہ اس کا ظاہری پیرایہ سخت گیرانہ ہوتا ہے۔

ب۔ عفوودرگزر:

اہلِ امر کو چونکہ تمام رفقا کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے' اور اس وجہ سے ان کے بہت سے عیوب' بہت سی کمزوریاں' بہت سی غلط کاریاں اہل امر کے سامنے آتی رہتی ہیں ——— کسی نے اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں کوتاہی کردی' کسی نے مخالفینِ تحریک سے کوئی نازیبا بات کہہ دی' کسی نے کوئی غلط جذباتی مظاہرہ کردیا' کسی نے کوئی اہم راز کی بات برسرِعام کہہ دی' کسی نے اپنے کسی رفیق سے یا کسی غیر سے بدمعاملگی کردی' کسی نے غیبت کی' کسی نے شکایت کی ——— اور ان حالات میں انسانی طبیعت بدگمانی اور تکدر کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آہستہ آہستہ اس قسم کی کمزوریوں کو دیکھ دیکھ کر اہلِ امر کے دل' خاص خاص افراد کے متعلق بھی' اپنے پورے حلقے کے متعلق بھی تلخی سے بھرنے لگتے ہیں' اور ایک طرح کی کراہت شدت و غلظت کے روپ میں ربط ضبط اور طرزِ کلام میں ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے دل پھٹتے ہیں' بدگمانیاں بڑھتی ہیں' اور نظامِ امر و طاعت کے پیچ ڈھیلے ہونے لگتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت اسی معاملے میں انتباہ کرتی ہے' اور اہلِ امر کو وہ یہ درس دیتی ہے کہ وہ اپنے رفقا کی کمزوریوں کو دیکھیں اور ان کو معاف کرتے جائیں' اور دل میں کسی طرح کی گرہ نہ پڑنے دیں' اور اپنے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مایوسی اور تکدر کو داخل نہ ہونے دیں۔ کیونکہ مختلف طبائع مختلف کمزوریاں رکھتی ہیں اور بہت محنت کے بعد آہستہ آہستہ ان کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اپنی طرف سے عفو و درگزر سے کام لیا جائے' بلکہ شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی غیرحاضری میں اپنے اللہ سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ یہ باہمی محبت کے جوڑ کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ج۔ مشاورت:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کا اقتضا یہ ہے کہ اہلِ امر موقع بہ موقع اپنے مختلف رفقا سے ان کی حیثیتوں اور ان کے علم و بصیرت کے مطابق مشورہ طلب کرتے رہیں۔ باہمی مشاورت سے اعتماد بڑھتا ہے' بدگمانیاں دور ہوتی ہیں' اور فیصلوں پر عمل کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

مشورت یقیناً فرض ہے اور جس معاملے میں بھی' جو رفقا صحیح مشورہ دینے کے اہل ہوں ان سے استصواب کرنا عین ارشاد الٰہی کا اتباع ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملے میں ہر شخص سے لازماً مشورہ لیا جائے' بلکہ ضروری یہ ہے کہ جس معاملے میں جس کا مشورہ لینا مناسب ہو اس سے ضرور مشورہ طلب کیا جائے۔ بعض صورتوں میں خاص اشخاص سے' بعض میں جماعت کی منتخب کردہ شوریٰ سے' اور بعض میں عام ارکان اور رفقا سے' حسبِ مصلحت جماعت مختلف معاملات میں رائے طلب کرنا' اور پھر آرا پر غوروخوض کرنا' اقامت دین کی جدوجہد کے لیے قوت بخش ہے' نیز اس سے نظام جماعت مستحکم رہتا ہے۔ مشاورت اس بات کا بھی بہترین وسیلہ ہے کہ اس کے ذریعے مختلف ذہن اور دماغ باہم ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں' اور پیش نظر معاملات میں ہونے والے فیصلوں پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

د۔ عزم و توکل:

آخری ارشاد جو اہلِ امر کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اس کا مفاد یہ ہے کہ جب ضروری مشورت کے بعد ایک معاملہ طے ہوجائے تو پھر اس پر ذہن کو یکسو کرکے مضبوطی سے قائم ہوجانا چاہیے۔ ایک بڑی جماعت کے اہلِ امر کو روزمرہ کے مختلف پھیلے ہوئے امور و مسائل میں فیصلے ہوجانے کے بعد بھی اختلاف آراء کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مسلسل نوبہ نو مشورے ان کے آگے رکھے جاتے ہیں۔ لیکن اگر فیصل شدہ امور میں بار بار ادل بدل کی پالیسی اختیار کی جائے تو عملی سرگرمیوں کا ایک رخ پر کامیابی سے چلنا ممکن نہیں رہتا۔ بلکہ الٹا اہلِ امر کے دلوں میں تذبذب اور انتشار فکر کی خرابی ابھرتی ہے' جس سے جماعت کی مجموعی پالیسی میں بھی دوامی اضطراب پیدا ہوجاتا ہے۔ انھی وجوہ سے شارع نے یہ چاہا ہے کہ باقاعدہ ایک نتیجے پر پہنچ جانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد مشورے دینے والے رفقا کو اس بات کی تربیت کی جائے کہ وہ فیصل شدہ امور کو قبول کر کے عملی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

تنظیمی امور

نظم امر و طاعت کے سلسلے میں کہنے کی باتیں اور بھی ہیں :

ا - ہدایات و سرکلرز کی شرعی حیثیت:

مختلف امارتوں اور تنظیمی دفتروں کی طرف سے جو سرکلر اور ہدایت نامے جاری ہوتے ہیں' ان کے بارے میں طاعت کی شرعی فرضیت کا احساس کچھ کمزور ہے۔ ان ہدایات اور گشتی مراسلوں کو غالباً معمولی دفتری چیزیں سمجھا جاتا ہے' حالانکہ جماعت کے نظامِ امارت کے تحت کوئی بھی قیم یا سکرٹری جب بھی کوئی مراسلہ جاری کرتا ہے تو اس کی حیثیت عین اسی "امر بالمعروف" کی ہوتی ہے جس کے بارے میں "وَأَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ" کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مراسلے درحقیقت اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ پر پورا غور کیا جائے اور ان کی بروقت تعمیل کے لیے پوری پوری قوت صرف کی جائے ---- اسی جذبہ عبودیت کے ساتھ جس کے ساتھ تمام احکام شریعت کی تعمیل کی جاتی ہے۔

ب - پابندیٔ وقت:

اجتماعات میں حاضری کے لیے جو وقت مقرر کیا جاتا ہے' کسی ڈیوٹی پہ پہنچنے کے لیے جو موقع اور جو لمحہ طے کیا جاتا ہے' اور اسی طرح کسی اطلاع یا رپورٹ کے پہنچانے یا کسی امر کی تعمیل کے لیے جو صورت یا جو گھڑی متعین کی جاتی ہے' اس کی پابندی کرنے میں جس باقاعدگی کی ضرورت ہے وہ ابھی ہم میں پیدا نہیں ہوئی۔ اس بات پر فخر کرنا ایک فضول حرکت ہے کہ دوسری جماعتوں سے ہماری باقاعدگی کا جو کم سے کم معیار قائم ہونا چاہیے' وہ ہوسکا ہے یا نہیں ؟ ------ افسوس ہے کہ وہ ابھی نہیں ہوسکا' اور اس کے لیے خاص فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگ اب تک اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس اپنے اندر پیدا نہیں کرسکے کہ ان میں سے ہر فرد کی حیثیت ایک چلتی کل کے پرزے کی سی ہے۔ وہ پرزہ اگر اپنا مقررہ فرض سرانجام دینے میں تاخیر کردیتا ہے' یا بے قاعدگی سے کام لیتا ہے' تو ساری کل اپنا وظیفہ بروقت پورا کرنے میں ناکام رہ جاتی ہے۔ اس کوتاہی کو ساتھ لے کر ہم کسی بڑی مہم میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ رفقا کو چاہیے کہ اپنے آپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظم جماعت کی کل کے پرزوں کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے کا فن سکھائیں۔

ج۔ احساسِ گناہ:

جیسا کہ اوپر کی بحثوں سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے' طاعت امر و طاعت نظم میں کوتاہی کرنا ایک معصیت ہے جس کے لیے اپنے آقا و مولا کے حضور میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس طرح کی کوتاہیوں پر رفقا میں بندوں کی طرف سے باز پرس ہونے پر ایک حد تک ندامت تو ہوتی ہے' لیکن ان میں بالعموم وہ احساس گناہ رونما ہوتا جو ہونا چاہیے۔ طاعت امر اور طاعت نظم میں کوتاہی' جھوٹ بولنے' کسی کو گالی دینے' وعدہ خلافی کرنے' حق تلفی کرنے' خیانت کرنے' چوری کرنے' غیبت کرنے' جھوٹی شہادت دینے اور اسی طرح کے دوسرے بڑے بڑے جرائم سے کم درجے کی چیز نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انفرادی اخلاق کے مذکورہ بالا تقاضوں سے اگر کبھی انحراف ہوجائے تو فوراً کھٹک ہونے لگتی ہے اور توبہ وانابت الی اللہ کا جذبہ ابھرتا ہے' لیکن جماعتی اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے پر دلوں میں گنہ گار ہونے کا وہ احساس ندامت پوری طرح نہیں ابھرتا جو فوراً توبہ و استغفار اور تلافی مافات اور اصلاح طرز عمل کی شکل اختیار کرلے۔

جماعتی اخلاق کی قدر و قیمت انفرادی اخلاق سے بدرجہا بلند ہے' اور اسی وجہ سے جماعتی اخلاق میں کمزوری دکھانا زیادہ قسم کی معصیت ہے۔ رفقا کو اب اس حقیقت کا احساس کرنا چاہیے۔ ہم اگر فرائض مفوضہ کو انجام دینے میں' کسی کام کے لیے وقت نکالنے میں' کسی پروگرام میں اپنا حصہ ادا کرنے میں' کسی موقع متعین پر بروقت پہنچنے میں' یا دوسری طرف اہل امر کے حقوق ادا کرنے میں' ان کی خیرخواہی کے تقاضے پورے کرنے میں' صحیح اسلوب تنقید اختیار کرنے میں' مشورے اور معلومات بہم پہنچانے میں' راز داری کا حق ادا کرنے میں' یا طاعت امر سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی کوتاہی دکھا جائیں تو ایسی ہر کوتاہی پر ایک شدید قسم کا جذبہ ندامت ہمارے اندر ابھرنا چاہیے —— ایسا جذبہ ندامت جو توبہ استغفار پر مائل کرلے' جو عجز کی پیشانی حضور رب العالمین میں جھکانے پر آمادہ کرے' جو متعلقہ اہل امر یا رفقا سے معذرت طلبی پر اکسائے' جو تلافی مافات کے لیے زیادہ شدید سرگرمی کار پیدا کرے' اور جو انفاق کی اسپرٹ کو ابھارے۔

یہ بات اگر ہم میں پیدا نہ ہوگی تو اسلامی خطوط پر اپنے نظم جماعت کو نشوونما دینا ہمارے لیے کبھی ممکن نہ ہوگا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احساسِ ذمّہ داری

امر و طاعت کے مذکورہ بالا تقاضوں کو نہ محض اپیلیں پورا کر سکتی ہیں' نہ دستور و آئین کی دفعات' بلکہ صرف رفقائے جماعت کا احساس ذمہ داری ہی ان تقاضوں کی تکمیل کا ضامن ہو سکتا ہے اگر ہر رفیق اس معاہدے کو ذہن میں تازہ رکھے جو اس نے جماعت سے تعلق قائم کرتے ہوئے اپنے اللہ سے مومنین کو گواہ بنا کر استوار کیا ہے' تو اس کا یہ احساس ذمہ داری زندہ رہ سکتا ہے۔ اس احساس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر رفیق یہ بات پیش نظر رکھے کہ جماعت اسلامی کا نظم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایک امانت ہے' جس پر وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح نگران اور پہرہ دار بنایا گیا ہے۔ یہ وہ قیمتی امانت ہے جسے وجود میں لانے کے لیے تاریخ کے ہزار ہا عوامل کام کرتے رہے ہیں' اور یہ وہ امانت ہے جس پر بہت سے دماغوں کی محنت' بہت سا روپیہ' بہت سی شب بیداریاں' بہت سی دوڑ دھوپ' بہت سی قربانیاں صرف کی جا چکی ہیں' اور جسے نشوونما دینے میں بہت سے بندگان خدا نے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔

اس نظم میں اگر کوئی قوت ضعف لانے کی کوشش کرے تو اس کی دست برد سے اس امانت کو بچانا ہر رفیق کا اولین فرض ہے۔ جو لوگ اس فرض میں کوتاہی کریں وہ اس پہرے دار کی طرح ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں خیانت سے کام لیتا ہے۔

پس رفقا کو ایک ایسی فضا بنا دینی چاہیے اور ایسی روایات قائم کرنے میں مسلسل مصروف رہنا چاہیے کہ جس میں نظم جماعت پر اثر انداز ہونے والا کوئی مفسدہ سر نہ اٹھا سکے۔ اور اگر کوئی نامطلوب چیز ابھرے تو وہ جہاں ابھرے وہیں اس کو خوش اسلوبی سے دبا دیا جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس کے ہوتے ہوئے اہل امر اور مامورین دونوں اپنی اپنی حدود میں کتاب و سنت کے مطالبات کے مطابق چل سکتے ہیں۔

باہمی تعلقات کی بنیادیں

امر و طاعت کا نظم' اسلام کے تقاضوں کے مطابق صرف ایسی جماعتی فضا میں چل سکتا ہے جس میں افراد کے باہمی تعلقات صحیح اخلاقی بنیادوں پر استوار ہوں۔ ان اخلاقی بنیادوں کو خدا اور رسولؐ نے ٹھیک ٹھیک متعین کر دیا ہے۔ خصوصیت سے سورۂ حجرات میں وہ اہم اصول مختصراً یکجا بیان کر دیے گئے ہیں جو اسلامی سوسائٹی اور اسلامی جماعت کے ارکان کے پیش نظر رہنے چاہییں۔ یہاں بالاجمال ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ مجلسی زندگی کو درست رکھنے کے لیے پہلا یہ حکم ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (الحجرات ۴۹:۶)

اے اہلِ ایمان! اگر کوئی فاسق تم تک کسی خبر کو لائے تو اس کے بارے میں (فیصلہ کرنے سے قبل) تحقیق کرلو' تاکہ تم کسی گروہ پر نادانی میں (مشتعل ہوکر) نہ ٹوٹ پڑو اور بعد میں اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

کسی اہم قسم کی خبر' اطلاع یا بیان کے سننے پر فوراً اس کے حق ہونے کا فیصلہ کرلینا بسا اوقات غلط نتائج تک پہنچاتا ہے۔ اس قسم کی غلطی پر آخر کار پشیمانی ہوتی ہے۔ یہ ہدایت عام ہے' لیکن ایک اسلامی سوسائٹی میں رفقا کو باہم اس پر سختی سے کاربند ہونا چاہیے' اور ایک دوسرے کے متعلق فساق کی لائی ہوئی اطلاعات پر فوراً فیصلے نہیں کرلینے چاہئیں۔ جب شیاطین جن و انس کی تگ و دو عام ہو' اس وقت تو اس ہدایت سے ایک لمحہ کے لیے نگاہ کو ہٹنے نہ دینا ہی لغزشوں سے بچا سکے گا۔

(ب) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (الحجرات ۴۹:۱۰)

اہلِ ایمان باہم ایک دوسرے کے لیے بھائی بھائی ہیں' پس اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔

اس حکم کا منشا ظاہر ہے' ایک مسلم سوسائٹی کے ارکان میں اگر کبھی بہ تقاضائے بشریت رنجش' کدورت یا جھگڑا پیدا ہو تو دوسرے رفقا کا کام یہ نہیں کہ وہ فتنہ کی آگ کو ہوا دینے میں لگ جائیں' بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ بدگمانیوں کو دور کرنے' دلوں کو قریب کرنے' اشتعال کو رفع کرنے کی کوشش کریں' یہاں تک کہ اخوت کا وہ تعلق بحال ہوجائے' جس کے بغیر کسی اسلامی جماعت کا نظم مضبوط نہیں ہوسکتا۔

طرح طرح کے باہمی ہنگاموں میں جماعتِ اسلامی کو اس ہدایت کے مطابق اپنا مصالحانہ طرز عمل لے کے میدان میں آنا ہوگا۔ جب مختلف عناصر مسلم افراد اور مسلم برادریوں اور مسلم جماعتوں کو لڑانے کی کوشش کررہے ہوں تو اس وقت جماعت اسلامی یہ پارٹ ادا کرے کہ وہ پوری ملت کو مصالحت کا درس دے' عصبیتوں کی آگ کو ٹھنڈا کرے' اور "حبل اللہ" پر جمع ہونے اور ہر حال میں اسلامی اصولوں پر کاربند ہونے کی دعوت دے۔

(ج) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات ۴۹: ۱۱)

اے اہلِ ایمان! تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں بہتر لوگ ہوں' اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں' کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں بہتر خواتین ہوں۔ اور باہم ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کرو' اور ایک دوسرے کے توہین آمیز نام نہ دھرو' ایمان لانے کے بعد گنہ گارانہ نام دھرنا بہت برا ہے۔ اور جو کوئی (ان حرکات سے) توبہ نہ کرے تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

اس ارشاد کے ذریعے باہم تمسخر کرنے' عیب چینی کرنے اور تذلیل آمیز نام دھرنے سے روکا گیا ہے' اور انتباہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ ان عادتوں سے باز نہ آئیں ان کا مقام مومنین صالحین کی صف میں نہیں' ظالمین کی قطار میں ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ایک سوسائٹی کے نظام کے لیے دیمک کا سا کام کرتی ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی زیادتیوں سے باہم دل پھٹ جاتے ہیں' جس جماعت میں طنز و تعریض' پھبتی اور ' تمسخر' تذلیل و توہین وغیرہ مفاسد پھوٹ نکلتے ہیں وہ کبھی بھی وحدت و اخوت کے معیار پر قائم نہیں رہ سکتی۔ جماعت اسلامی کے ہر کارکن کو ان مفاسد سے پوری طرح پاک ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

کسی بھی کشمکش میں آپ کو قدم قدم پر ان مفاسد کا سامنا کرنا پڑے گا' اور آپ کا جی چاہے گا کہ آپ بھی مزے لے لے کر دوسروں کا تمسخر اڑائیں' دوسروں کے عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کریں' ان کے نام دھریں' اور ان پر فقرے چست کریں' لیکن اگر مذکورہ بالا آیت نگاہوں کے سامنے رہے گی تو انشاء اللہ ظالمین کی صف میں جا کھڑے ہونے سے بچ سکیں گے۔

(د) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات ۴۹: ۱۲)

اے لوگو' جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں' اور تجسس نہ کرو' اور کسی کی غیرحاضری میں بدگوئی نہ کرو! کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کے مردار گوشت کو کھائے (نہیں بلکہ) اس سے تم کو گھن آتی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو یقیناً وہ (توبہ کرنے والوں کو) معاف کرنے والا' مہربان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔

اس آیت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ باہم بدگمانیاں نہ کی جائیں' شکوک اور شبہات کی فصل دلوں میں نہ اگائی جائے' اور تہمتیں نہ تراشی جائیں اور نہ اِدھر اُدھر سے سن کر کسی تہمت کو بیان کیا جائے' کیونکہ ہر وہ شبہ یا تہمت جو درحقیقت بے بنیاد ہو' ایک معصیت ہے۔

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ باہم تجسس نہ کیا جائے۔ تجسس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے عیب ڈھونڈنے میں پڑے رہیں' یا ہر طرف رازدارانہ باتوں کو سونگھتے پھریں' یا مختلف مجالس کی سن گن رکھنے کے لیے سرگرم رہیں۔ یہ انتہائی معیوب اور نظم کے لیے تباہ کن حرکات ہیں۔

تیسرا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کی غیرحاضری میں اس کی برائیاں بیان کرکے مزے نہ لیے جائیں' کیونکہ یہ فعل اتنا ہی گھناؤنا ہے جتنا یہ کہ آدمی جس کی غیبت کررہا ہو اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کے کھائے۔ ان تقاضوں کو جتنا زیادہ پیش نظر رکھا جائے گا جماعت کی وحدت اور رفقا کی اخوت اتنی ہی مستحکم ہوگی' اور نظم امر و طاعت ٹھیک طرح اپنا کام کرتا رہے گا۔

اجتماعی ہنگاموں کے دوران میں اس آیت کے ہر مطالبے کو لوگ پامال کرتے نظر آئیں گے۔ اور نہ معلوم کن کن مسلمانوں کا گوشت بھرے جلسوں میں مزے لے لے کر کھایا جائے گا۔ لیکن جماعت اسلامی کے کارکنوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اس کے تقاضوں کو ہر لحہ پیش نظر رکھیں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے ان اخلاقی مکروہات سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں۔

(معروف و منکر' ص ۹۰ تا ۱۰۳)

بڑے نصب العین کے بڑے تقاضے

بڑے بڑے اجتماعی نصب العین (خصوصاً" اسلامی) لے کر چلنے والوں کی زندگیاں اور ان کا پیدا کردہ ذہنی یا سماجی ماحول دوسروں سے زیادہ روشن ہونے چاہئیں۔ عمومی فضا محبت و ایثار کی ہونی چاہیے۔ ہر کوئی دوسروں کی قدر کرنے والا اور ان کی ہر تکلیف کو محسوس کرنے والا ہو' اور وہ اہتمام کرے کہ اگر وہ کوئی خدمت نہ کر سکے گا تو کسی دوسرے کو کسی طرح کی اذیت بھی اپنی جانب سے نہ پہنچنے دے گا۔

پھر برادرانہ جذبے سے دل اتنے کھلے ہونے چاہئیں کہ اگر کسی شخص کے طرزِ عمل پر کوئی دوسرا اعتراض اٹھائے' یا کسی مجلس میں تنقید کرے' تو وہ دل میں انتقامی جذبے کی گرہ ڈال کر نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھ جائے کہ آئندہ جب کبھی موقع ملے گا‘ وہ بھی نہلے کا جواب دہلے سے دے گا۔

اس سے بھی زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ ہمارے کارکن جن میں بہت سے اچھی طرح ماہرِ تکلم نہیں ہوتے‘ زورِ استدلال سے کام نہیں لے سکتے‘ ان میں سے کئی دیہاتی ہوتے ہیں جو ضرورت سے کہیں زیادہ اپنے سے بڑوں کا احترام کرتے ہوئے ان کے سامنے کسی اختلافی نکتے پر زبان کھولنے کی جرات نہیں کرتے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان سب کو گلے لگائیں اور ان کے غیرادبی اور سادہ اور کھرے انداز بیاں پر انھیں ڈانٹنے کے بجائے ان کے نفس مدعا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان سے خود سوال کر کے پوری بات معلوم کریں۔ وہ بے چارے تو اپنے اس درد کو بیان کرنے کے لیے الفاظ اور انداز نہیں پاتے جو اس کانٹے کی وجہ سے ہے جوان کے ضمیر میں خلش کر رہا ہے۔ آپ پہلے انھیں دردمند اور دکھی تو سمجھیے‘ پھر ان کی بات سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ سوالات‘ اعتراضات اور تنقید چونکہ اسلامی نظام جماعت کی صحت مندی کا لازمہ ہیں‘ اس لیے ان کے راستے کھلے رہنے چاہئیں۔ جب کبھی ان راستوں کو بند کیا جائے گا یا ان کے دروازوں میں بھاری کواڑ لگا کر ان کو مقفل کر دیا جائے گا‘ تو نظم کی صحت برقرار نہ رہ سکے گی۔ سوالوں اور اعتراضات کا آرام سے جواب دیجیے۔ اچھے دلائل سے جواب دیجیے۔ جواب اطمینان دلانے والا ہو‘ اس کے اطمینان میں جو خلل آیا ہے‘ اسے دور کیجیے۔

قائدین اور کارکنوں میں مساوات

تحریکی شعور کی اس لحاظ سے بھی بار بار تجدید کرنی چاہیے کہ اسلامی تحریک کے اصولوں کا اطلاق بڑوں اور چھوٹوں پر یکساں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی عام کارکن غلطی کرے یا رکن لغزش کھائے تو جس درجہ کی گرفت اس کے لیے ہے‘ اسی درجہ کی گرفت ویسی غلطی پر عہدہ داروں اور قائدین کی بھی ہونی چاہیے۔ چھوٹوں پر گرفت کرنا اور بڑوں سے چشم پوشی کرنا‘ ایسا خطرناک طریقہ ہے جس کے لیے رسولؐ اللہ نے سخت وعید سنائی ہے۔

مثلاً جماعت کے کسی معاملے میں مقررہ پالیسی کے ہوتے ہوئے اگر ایک معمولی رکن کو حق نہیں کہ اس سے انحراف کرے‘ یا مقررہ پالیسی میں سے ایک اور شاخ نکال لے‘ تو اس کے کسی عہدہ دار اور لیڈر کو بھی اس کا حق نہیں۔ جماعت کے کارفرما اداروں اور اشخاص نے کسی شخص یا گروہ کو اسلام‘ جمہوریت اور امن کا دشمن قرار دیا ہو‘ تو کسی چھوٹے یا بڑے کو یہ جرات نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ایسے گروہ کو اسلام‘ جمہوریت کا خادم قرار دے۔ یہ ڈھیل اگر جماعت کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افراد کو دے دی جائے کہ وہ جو اختلافی راہیں چاہیں اختیار کریں' اور انہیں جس دائرے میں چاہیں بیان کریں' تو ہماری پالیسی مینار بابل کا تماشا پیش کرے گی۔ ایسی گنجائش رکھنے سے ایک اصولی و مسلکی جماعت کا تو پورا ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح ہماری محکم روایات کا معاملہ ہے' جو شروع سے قائم ہیں' اور جن کے بارے میں قرار دادیں اور فیصلے اور بیانات موجود ہیں۔ کن طریقوں کو اختیار کرنا ہے کن کو نہیں' کن عناصر سے اتحاد ہو سکتا ہے کن سے نہیں' کیا نعرے لگائے جاسکتے ہیں کیا نہیں' مظاہروں میں کیا حرکتیں کی جاسکتی ہیں اور کیا نہیں' روایات کا ایک معلوم و معروف خاکہ موجود ہے' جسے ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں۔ اسے توڑیں تو ہمارے اصول ٹوٹ جاتے ہیں' یعنی یہ خاکہ اصولوں ہی کے عملی انطباق سے نمودار ہوا ہے' اور اسے بار بار توڑنا اور بدلنا ہمارے جماعتی و تحریکی تشخص کے لیے ضرر رساں ہے۔

فسادِ تضاد

دنیا کی سب سے بڑی بلا تضاد ہے۔ یہ فرد کے خیالات اور طرزِ عمل میں ہو' تعلیم میں ہو' نظام جسمانی میں ہو' ہر جگہ وہ باعث فساد ہے۔ خصوصاً تنظیمی ہیئتوں کے لیے تو وہ مہلک ہے۔ ہلکے ہلکے اور دھیمے دھیمے تضاد اس طرح عمل کرتے ہیں جیسے سلو پوائزن۔ اوّلاً خرابیاں آہستہ آہستہ سطح سے نیچے ہی پھیلتی جاتی ہیں۔ پھر جب اپنے نتائج کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں تو ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ عقیدہ اور عمل میں' دعوت اور کردار میں' ذکر و عبادت اور سیاست و معیشت میں' جہاں بھی کہیں تضاد کا روگ ہوگا وہ اپنے کرشمے دکھائے گا۔ اور درحقیقت یہ تضادات ہی ہوتے ہیں کہ ماضی اور حال میں' اعلانات اور کارروائیوں میں' بڑوں اور چھوٹوں کے رویوں میں' ظاہر اور باطن میں' جماعتی پالیسیوں کی تعبیرات میں' پہلے دھیمے دھیمے طریق سے کام کرتے ہیں اور پھر زور شور سے۔ اگر پہلے مرحلے میں ان کی روک تھام نہ ہو سکے تو پھر اس تباہ کن طوفان کو کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے رنج و غم سے دیکھتے ہیں' مگر خون کے آنسوؤں سے بھی اس کو روک نہیں سکتے۔

میرے پیارے ساتھیو! عزیز بھائیو! محترم بزرگو! خدا کے لیے نگاہ رکھو کہ کسی پہلو سے تضادات نہ ابھرنے پائیں۔ تضادات کا شجرۃ الزقوم ایک دفعہ جڑ پکڑ گیا تو آپ کوئی کام نہ کر سکیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیپا پوتیاں علاج نہیں

اوپر جن باتوں کا ذکر ہوا ہے ان کے بارے میں یہ بھی جان لیجیے کہ خرابیوں کا حقیقی اور موثر حل لیپا پوتیوں سے نہیں ہوا کرتا۔ زخم کا یہ کوئی علاج نہیں ہے کہ آپ نے اس پر نہایت رنگین ریشمی پٹیاں لپیٹ دیں' اور بیان دے دیا کہ یہاں کوئی زخم نہیں۔ گندگی کا ازالہ یوں نہیں ہو سکتا کہ جہاں جہاں وہ سامنے آئے یا کوئی دوسرا متوجہ کرے' آپ وہاں وہاں اخبار کا کاغذ اس پر پھیلا کر کونوں پر پتھر رکھ دیں۔ معاملات کو ہمیشہ صاف طور سے لینا چاہیے۔ آپ کے اسلامی طریقے سے جب کوئی انحراف ہو تو صاف صاف کہیے کہ انحراف ہوا ہے' اور کوئی دوسرا توجہ دلائے تو اس کی بات کو مانیے کہ تم نے ٹھیک توجہ دلائی۔ جس کسی نے قدمِ انحراف اٹھایا ہو اسے بالمشافہ کہیے کہ صاحب! آپ نے یہ غلطی کی ہے' اور ایسی غلطی کی گنجائش ہمارے اصولوں اور روایات میں نہیں ہے۔ پھر ان صاحب کے تعاون سے کسی قطعی اور حتمی فیصلے تک پہنچیے' اور اس کو ڈیکلیئر کیجیے۔ بے شمار ایسے اختلافی یا نزاعی معاملات پیدا ہو کر پھیلتے رہیں گے' اگر ہم نے ایمانی و اخلاقی جرات کے ساتھ روک تھام نہ کی۔

ہم دینِ حق کے علمبردار اور شہادتِ حق کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں حق کہنا چاہیے دوسروں کے متعلق بھی' اپنے متعلق بھی۔ کبھی آدھا حق کہہ کر دوسرا آدھا حق چھپا نہ دینا چاہیے' اور واقعہ کے کسی حصے کو لپیٹنا نہیں چاہیے' بلکہ جرات سے پورا حق کہنا چاہیے' خواہ اس کی زد ہم پر پڑتی ہو۔

(تحریکی شعور' ۱۹۸۹ء' ص ۹۳ تا ۹۷)

ب۔ اختلاف اور اس کے آداب و حدود

بقول ذوق اختلاف ہی سے ساری رونق قائم ہے' ذوقِ اختلاف کی گندھاوٹ عین انسانی فطرت میں ہے۔ لیکن اختلاف کی کچھ حدیں ہیں جن تک وہ محدود رہیں تو اختلافات سے خیروخوبی پیدا ہوتی ہے' مگر حدود مناسب سے جب اختلاف آگے بڑھتا ہے تو خرابی و فساد کا باعث بنتا ہے۔

اصولی طور پر اس کی آخری حد وحی سے متعین ہوتی ہے' جیسے کہ مختلف مقامات پر مصحفِ پاک میں یہ مدعا بار بار بیان ہوا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (الجاثیہ ۴۵ : ۱۷)

"انہوں نے العلم کے آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا ہے' باہمی کشمکش کی بنا پر۔"

یعنی اہل ایمان کے ہر اختلاف و کش مکش کو العلم کے سامنے آنے پر ختم ہو جانا چاہیے۔ العلم سے مراد حکم خدا و رسولؐ یا نص ہے۔ اسی بات کو قرآن کریم نے یوں بھی واضح کیا ہے :

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۰)

"پھر جس معاملے میں بھی تم اختلاف کرو' تو اس کا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔"

یہ تو سب سے بڑی اصولی بات ہے' لیکن تفصیلات بہت سی ہیں۔

یقیناً بعض جزئی اختلافات نیک نیتی سے بھی ہو سکتے ہیں' مگر ایسے اختلافات اگر غل و غش سے پاک ہوں تو ان کا حل خدا اور رسولؐ کے فرمودات کی روشنی میں فریقین خوش خلقی اور خوش بیانی سے خود ہی کر لیتے ہیں' لیکن بیشتر صورتوں میں اختلافی رجحانات و جذبات میں شیطان نفسانیت کی ملونی ڈال دیتا ہے۔

بنیادی اصول

اختلاف کا معاملہ ایسا ہے کہ قرآن و حدیث میں بڑے جامع انداز سے اسلامی حکمتِ اختلاف کو بیان کر دیا گیا ہے اور ہر نکتہ کے ساتھ واقعاتی نظائر موجود ہیں۔ ان ساری تفصیلی ہدایات کو جمع کرنا ممکن نہیں' کوشش یہ ہے کہ ان کا ماحصل سامنے لایا جائے۔

اسلامی حکمتِ اختلاف سے استفادہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ دینِ برحق جن مقاصد کے لیے آیا ہے' ان کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں کہ توحید کی بنیاد پر مسلمانوں کی مضبوط وحدت (بنیان مرصوص) استوار ہو۔ یہی اشارہ ہے فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا "پھر تم خدا کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔" (آل عمران ۳:۱۰۳) کا۔ توحید جتنی صحیح طور پر دلوں میں راسخ ہوگی' اہل توحید کا اتحاد بھی اتنا ہی مضبوط ہوگا۔

پھر حقیقت کا ایک پہلو یہ سامنے رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی نگاہ آخرت پر زیادہ مرتکز ہوگی' یا جو کوئی اپنے نصب العین کے عشق میں سرشار ہوگا' اسے چھوٹے قضیوں اور جھمیلوں سے دلچسپی نہ رہے گی اور وہ وقت اور قوتوں کا ضیاع پسند نہ کرے گا۔

تیسری ضروری بات یہ ہے کہ اصل اختلاف ایمانیات یا زندگی کے بنیادی تصورات کا اختلاف ہوتا ہے' بعد ازاں اصول و احکام کی تعبیرات کے اختلافات سامنے آتے ہیں' پھر تدابیر' مصالح اور انتظامی امور کے اختلافات' اور آخری درجے میں ذاتی معاملات کے اختلافات۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی قسم کے اختلافات تو اسلام پر ایمان لاتے ہی اہل ایمان کے درمیان ختم ہوجاتے ہیں۔
دوسری قسم کے اختلافات علمی' تحقیقی اور استدلالی ہوتے ہیں۔ جن کا فیصلہ استدلالی طریقوں سے ہونا چاہیے' اور جن کو اگر فریقین خود حل نہ کرسکیں تو کوئی ایسا شخص یا ادارہ ڈھونڈا جاتا ہے جو "فوق کل ذی علم علیم" کے مطابق علمی لحاظ سے فائق اور بلند تر اور معتمد علیہ ہو۔ تدابیر و مصالح کے اختلافات میں سے بعض بہت زیادہ اہمیت والے ہوتے ہیں اور بعض کم اہمیت والے۔ ان کو حل کرنے میں استدلالی طریق کے علاوہ شورائیت کے اس اصول کو بھی برتا جاسکتا ہے کہ چند افراد خود یا زیادہ وسیع حلقے کے اجماع تام یا اجماع ناقص کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔ نہ کریں تو پھر کوئی حل نہیں۔ آگے افتراق ہی افتراق اور فساد ہی فساد ہے۔
سب سے آخری درجہ انفرادی یا گروہی مفاد کی کشمکش سے پیدا ہونے والے اختلافات کا ہے۔ ان کا حل گفتگو اور دلائل سے نہ ہوسکے تو پھر ثالثی یا تحکیم یا عدالتی انداز سے ہوجانا چاہیے' اور فریقین جس طریقے کو بھی مانیں' اس کے تحت ہونے والے فیصلے کا دونوں کو پابند ہونا چاہیے —— خواہ نفع ہو یا نقصان! اور کسی صورت میں بھی کسی فریق کو بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ راستے خود شریعت ہی نے ہمیں بتائے ہیں۔ ان کو نہ مانا جائے تو پھر نزاعات کا کوئی حل نہیں ہے' اور دل و دماغ میں زہریلے آبلے پڑ جائیں گے اور زندگی آگ کے شعلوں سے بھر جائے گی۔ وہ چہرے جن پر مسکراہٹوں کے پھول کھلنے چاہئیں' ان پر نفرت کے تارکول کا غبار چپک جائے گا۔ اس غبار کو اگر دنیا میں نہ صاف کیا جاسکے تو خدا نخواستہ آخرت تک بھی ساتھ جاسکتا ہے۔

آداب و حدود

اوپر درج شدہ آیت میں لفظ "بغی" کا استعمال ہوا' جس کے معانی میں زیادتی' ظلم اور بے جا حصول مفاد وغیرہ شامل ہیں۔ یہ بیماری مال یا مادی مفاد ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ انانیت' تکاثر و تفاخر' رشک و حسد' شہرت حاصل کرنا' اپنی عزت و ناموری کو بڑھانا اور دوسرے کا درجہ گھٹانا' قوت و اثر میں کسی دوسرے سے بڑھ جانے کے لیے غلط سلط طریقے اختیار کرنا' ان سب مظاہر کے پیچھے وہی بیماری دل کام کرتی ہے۔ اس طرح کے محرکات و عوامل کا مخفی زہر فکری یا تدبیری اختلافات میں آملتا ہے۔ کبھی کبھی کسی کے متعلق کوئی ایسی وجہ ناپسندیدگی پیدا ہو جاتی ہے یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی ایسی بدگمانیاں جمع ہو جاتی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی فرد یا گروہ کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس نفرت کا تلخ و گرم لاوا ہر قسم کے اختلافات کی بحثوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے کچھ چیزوں سے اپنی حفاظت کرنی چاہیے۔ مثلاً:

۱۔ کبر و تحقیر

اپنے آپ کو مقامِ کبر (جس کی بنیادیں مادی فوقیتوں، علمی بالا تری، زہد و تقویٰ میں پیش روی، لسانی و قلمی مہارت یا عہدہ و منصب جیسی چیزوں پر استوار ہوتی ہیں) پر رکھ کر دوسروں کی تحقیر و تضحیک نہ کی جائے۔

۲۔ بلا تحقیق قبول و نقل

کسی بھی قسم کی سرسری افواہوں پر جو کسی دوسرے شخص کے، (خصوصاً جس کے متعلق پہلے سے کوئی پھانس موجود ہو) بارے میں موصول ہوں، اچھی طرح تحقیق کیے بغیر کوئی رائے قائم نہ کی جائے۔

۳۔ غیبت اور براہِ راست بات چیت

غیبت کا راستہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے بلکہ شخص متعلق سے کوئی شکایت یا اس کے بارے میں کوئی اشتباہ ہو تو اخلاقی جرات سے کام لے کر براہ راست بات چیت کر لینی چاہیے۔ اپنی غلطی سامنے آ جائے تو معافی طلب کر لینی چاہیے اور دوسرے کو غلطی کا احساس ہو جائے تو بلا تامل معاف کر دینا چاہیے۔

اس الجھن کا کوئی حل میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اگر متعلقہ لوگ شکایت و شبہات سننے پر تیار ہی نہ ہوں، اور سنیں تو خوشگواری کے انداز کو برقرار نہ رکھ سکیں، نیز سن لینے کے بعد متکبرانہ انداز میں شکایت کرنے والے کو بلیک لسٹ کر کے پھر اس سے انتقام لینے کی چالیں چلنے لگیں، تو کیا ہو؟ میری رائے میں یہ حالت کسی اوسط درجہ کے اسلامی معاشرے خصوصاً اس کے تعلیم و تربیت پائے ہوئے افراد کی کسی تنظیم میں قابل تصور نہیں ہے۔ یہ حالت اگر عملاً پیدا ہو جائے تو پھر اسلامی کردار کی نشوونما کی امیدوں سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔

۴۔ زیرِ سطح منافرت انگیزی

چند افراد کے سلسلہ غیبت و نجویٰ سے بڑھ کر زیر سطح طوفان منافرت انگیزی زیادہ خطرناک ہے، جو دوب گھاس میں پھیلنے والے پانی کی طرح غیر محسوس طور پر دور دور تک کے رقبوں کو اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ انتہائی بد نصیبی ہو گی کسی بھی دینی مقصد کے لیے جمع ہونے والے گروہ کی، جس میں شخصیتوں کی حمایت و مخالفت میں غیبت خانے کھل جائیں، اور پروپیگنڈہ سنٹر قائم ہو جائیں، نیز نشرو اشاعت کی مہارتیں کام کرنے لگیں۔ میں نے بعض اوقات ماہرین فن نمیمہ (چغل خوری) کو بے دغدغہ ذہن و زبان کا نہایت افسوس ناک استعمال کرتے پایا ہے۔ میں جب عالم تصور میں یہ نقشہ دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ آیتیں اور حدیثیں پڑھ پڑھ کر اختلافات و نزاعات کی آگ کو، مقدس دامنوں سے ہوا دے رہے ہیں تو غلبہ الحاد و ظلم کے اس دور کی تباہ کاریوں کا اندازہ کر کے میرے دماغ کا ذرہ ذرہ لرز جاتا ہے۔

۵۔ اصلاح بین الناس

دین کے سرچشمہ ہدایت میں مسلمانوں کے لیے بہترین اور صحیح رویہ "اصلاح بین الناس" کا ہے۔ جہاں کوئی اختلاف و نزاع موجود ہو، وہاں بجائے اس کے کہ کچھ افراد ایک جھنڈے کے پیچھے جمع ہو جائیں اور کچھ دوسرے کیمپ میں... اور پھر ایک طرف کی قوت اور دوسری طرف کی قوت رسہ کشی کرنے لگے تو جیت خواہ "ا" کی ہو، خواہ "ب" کی ---- خدا و رسولؐ کے دین کے لیے جو مہم چل رہی ہے اسے ضرور نقصان پہنچے گا۔ آس پاس کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک طرف والوں کو بھی غلطیوں کا احساس دلائیں اور مخالفت کے لیے تلخی کو کم کرائیں اور دوسری طرف جا کر بھی اصلاح و درستی کا سبق دیں۔ یہ کوئی طریقہ نہیں کہ کوئی سی مسلمان جماعت ایک طرف کا جھنڈا اٹھا کر دوسری جانب کے لیے صرف کردار کشی کی مہم چلانے میں لگ جائے۔

ضمناً یہ بھی مجھے عرض کرنا ہے کہ جتھوں کی جب کبھی بھی کوئی کشمکش ہوتی ہے تو اسے حمایت صداقت کے نام پر اصولی رنگ ضرور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بیشتر نزاعات میں حقیقت و صداقت کے کچھ اجزا ایک طرف ہوتے ہیں، اور کچھ دوسری طرف۔ ایک طرف والے دوسری جانب کی صداقتوں کو زیر غور نہیں لاتے، اور دوسری جانب والے پہلے فریق کی صداقتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ صداقتوں کے اس طرح تقسیم ہو جانے کی صورت میں کسی طرف کے لیے صد فیصد حمایت یا مخالفت مغالطوں پر مبنی ہوتی ہے، اور دوسروں کے لیے مغالطہ انگیز نزاعات کی فضا میں مہم صرف صلح و سازگاری کے لیے چلانی چاہیے۔

لیکن اگر ہم میں سے کچھ لوگ ایک طرف اور کچھ دوسری طرف مل کر اور گفتگو کر کے ایک خصوصی نہج سے "کیس" مرتب کر لیں، اور اسے دوسرے فریق کے خلاف لے آئیں، تو ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے تو پہلا قدم ہی ناانصافی کا اٹھ گیا' اب وہ آگے کیا انصاف کریں گے۔ جسے کسی معاملے میں مصالحت پسندی یا منصفی کے جذبے سے دلچسپی لینی ہو وہ ایک طرف ملاقاتیں کرے تو پھر دوسری طرف بھی کرے' ایک طرف سے "کیس" معلوم کرے تو دوسرے سے بھی جاکر دریافت کرے۔ اتنی فرصت نہ ہو' یا ذہن میں پہلے سے ذاتی قرب و بعد کا کوئی اثر موجود ہو تو ایسے جھگڑوں کے میدان میں اترنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے۔ کئی اور نیک کام کرنے کے لیے موجود ہیں۔

مجھے بعض ناخوشگوار احوال پیش آنے پر یہ تکلیف دہ تجربہ ہوا کہ قرآن و سنت کے منشا کے مطابق غیرجانب دارانہ ذہن کے ساتھ مصالحت پسندی یا منصفی کے جذبے سے کم ہی کوئی شخصیت آگے بڑھتی ہے۔ زیادہ تعداد ایسی نکلتی ہے جس کا سلوگن زبان عمل سے یہ ہوتا کہ "اِدھر تم' اُدھر ہم"۔ اس "اِدھر اور اُدھر" سے جو تباہی قومی زندگی میں مچتی ہے اس سے اندازہ کرلیجیے کہ کسی جماعت یا کاروباری یا خاندانی دائرے میں یہی ذہنیت اگر داخل ہو جائے تو نتائج کیا ہوں گے۔ یہ راستہ افتراق اور گروہ بندی کا راستہ ہے' سوچ سمجھ کر چلیے اور سنبھل کر چلیے۔

اس میدان میں محض جانبدارانہ جذبات کے ساتھ آنکھیں بند کر کے غلط طور پر زور زباں یا زورقلم یا زور گفتار کا استعمال نہ دنیا میں مفید ہے' نہ آخرت میں باعث خیر۔

۶۔ مجالس سے باہر اظہار:

"المجالس بالامانۃ" کا اصول توڑنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' اور معاملات سلجھنے کے بجائے الجھتے ہیں۔ کوئی بات جس دائرے کے اندر کی تھی اس سے اٹھا کر باہر لے جانے کا قصور فریق "ا" سے جتنا سرزد ہو اس کا وہ ذمہ دار ہے' فریق "ب" سے جس حد تک صادر ہو اس کا وہ جوابدہ۔

۷۔ اظہارِ اختلاف

جن اختلافات کے بیان کرنے کا ایک دائرہ شریعت کی روشنی میں دستور اور روایات کے ذریعے خود ہم نے اپنے لیے مقرر کیا ہے' اس دائرے سے اختلاف کو باہر لے جانا ایک سنگین لغزش ہے۔ ایسی لغزش جس سے بھی سرزد ہو اور جو بھی ایسی غلطی کے کسی ذمہ دار کی حمایت کا علم اٹھائے وہ اپنے کردار کے مطابق آخرت میں تو جواب دہ ہے ہی' اس دنیا میں بھی متعلقہ لوگوں کے سامنے اس کے لیے وضاحت کرنا لازم ہے' اور خود لوگوں کو بھی وضاحت طلب کرنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر کسی کی غلطی واضح یا ثابت ہو تو اس پر انسانوں سے معذرت اور اللہ سے توبہ واستغفار ضروری ہے۔

۸ - قولِ سدید

فریقینِ اختلاف اور ان کے حما-تیوں کو اپنی کسی نزاع کے سلسلے میں جو بات بھی کہنی ہو' اسے صاف نیت اور اخلاقی جرات کے ساتھ قولِ سدید بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ تشبیب و گریز اور لف و نشر اور کہ مکرنیوں کے اسالیب اختیار کر کے ایسی پر تضاد' الجھی ہوئی' طنزیہ اور چیستانی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کہ باہم دگر مغالطوں اور تندی جذبات میں مزید اضافہ ہو۔ جو بھی دعویٰ یا شکایت یا اعتراض یا سوال برائے وضاحت طلبی ہو' اسے رشتہ نطق کو بل دیے بغیر سنجیدہ انداز میں بیان کرنا چاہیے۔ آدمی اگر کسی شخص کو برا سمجھتا ہے اور اسے برا کہنا چاہتا ہے تو بہت "اگر مگر" کے چکر میں پڑے بغیر قلب و ضمیر کی بات کہہ دینی چاہیے' بشرطیکہ اس سے مطلوب کی بہتری' الجھنوں کا حل' اللہ کی رضا اور روح کی تسکین ہو۔ اسی طرح جس کے خلاف آپ کیس پیش کریں' اس میں اگر کوئی خوبی ہو تو اسے کھلے دل سے ایسے انداز میں تسلیم کریں کہ آگے پیچھے کے جملوں سے یہ تاثر نہ ہو کہ آپ نے چاروناچار ایک بات تو کہی مگر اسے ملیا میٹ کرنے کا سامان بھی کر دیا۔

۹ - اتہام و تحقیق

عام حالات میں بھی' اور نزاعی ماحول میں خصوصاً' جب کبھی کوئی شخص دوسرے کے متعلق کوئی واضح الزام یا اتہام لے کر آئے تو جس کے سامنے بھی بات ہو اس کا اگر خدا پر ایمان اور تحریک سے لگاؤ ہو تو اس کی اولاً شرعی و اخلاقی' اور ثانیاً تنظیمی' ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس پر دستاویزی یا شخصی شہادت طلب کرے۔ اس کے راوی اول یا ماخذ کا سراغ لگائے' اور جرح و تنقید کر کے بات کو منقح کر دے۔ یہ تعمیل ہوگی قرآنی حکم فَتَبَيَّنُوْا "جان پہچان کر لیا کرو" (النساء ۴:۹۴)۔

جہاں ایک مرتبہ ایسا جماعتی یا سماجی ماحول بن جائے وہاں غلط بیانی' یا غیبت' یا تجوئی کرنے والے' چغلی کھانے والے' یا دوسروں پر تہمت لگانے والے کسی شخص کے لیے سخت مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے' اور کوئی بھی شخص یادہ گوئی کی جرات نہیں کر سکتا۔ غیبت ہو یا الزام تراشی' ان خار دار جھاڑیوں کے اگنے کے لیے ایک خاص طرح کی زمین اور آب و ہوا درکار ہوتی ہے۔ ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمین اور ایسی آب و ہوا اپنے ہاں نہیں ہونی چاہیے۔

یہ بات بد ترین گالی سے بڑھ کر ہے کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کسی کے ہاتھ بک گیا ہے' یا فلاں کا آلہ کار ہے' یا اسے جماعت کے حلقے میں کار خاص کے لیے داخل کیا گیا ہے' جماعت اسلامی کا کوئی آدمی سنجیدگی سے یا طنزاً یا محض اذیت رسانی کے لیے اس طرح کی بھاری اور تلخ بات زبان یا قلم سے ادا نہیں کر سکتا۔۔۔ تاوقتیکہ وہ حتمی ثبوت فراہم نہ کر سکے۔ دلائل اور موقف کی کمزوری آدمی کو بعض اوقات مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے دعوے کے وزن کی کمی الزامات کے ذریعے پوری کرے۔

اسلام میں اختلافات کا راستہ بہتانوں اور تہمتوں کا راستہ نہیں ہے۔ حد یہ کہ تہمتیں اخباروں میں چھپیں' ان کا چرچا ہو' وہ قریب اور دور کے ہزار ہا افراد تک پہنچیں۔ ایسی زیادتی جس سے بھی سرزد ہو اسے شرمسار ہونا چاہیے اور فریق متعلق سے معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ استغفار کرنا چاہیے۔ کسی شخص کو بدنیت اور بے ضمیر قرار دینے کے بعد پھر بحث کاہے کی۔

یہ تو ایک عجیب منطق ہوئی کہ جب تک کسی ایک نکتے کا اختلاف واقع نہ ہوا ہو تو دونوں فریق ایک دوسرے کو اچھا سمجھتے ہوں اور تعریف کرتے ہوں۔ "ا" موقر و معظم اور "ب" بھی شستہ و شائستہ' اور دونوں اسلامی ذہن و کردار کے دانشور اور قائد مگر اختلاف ہونے کے بعد عزتوں اور شرافتوں اور قابلیتوں کا ایک دوسرے کی نگاہ میں خاتمہ ہو جائے۔

۱۰۔ احترامِ اختلاف

اختلاف کرنے والے کو مجرم بنا کر اس کے خلاف انتقام کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلی کوشش رفع اختلاف کی ہو یا کم سے کم کسی اختلاف کے ہوتے ہوئے مل کر چلنے کی راہ نکالی جائے۔ یہ معرکہ سر کرنے میں اگر دونوں طرف کی دماغی صلاحیتیں اور اخلاقی احساسات کامیاب نہ ہوں تو پھر ثالثی کے بعد ایک طرح کی عدالتی تحقیق کے ذریعے معاملے کو فیصل کرا کے دونوں فریقوں کو سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر ہنستے مسکراتے جدا ہونے کے بعد سارا قصہ بھول بھلا دینا چاہیے۔ اسے پلے باندھ کر رکھنا اور پچھلی باتیں یاد کر کے اور نئے نئے نکتے ایجاد کر کے اور "جرمِ اختلاف" کی سزا دینے کی تدبیریں اختیار کر کے اپنے اور حریف کے اعصاب کی پسپائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری کارروائی ایک منفی کارروائی ہے۔ خدا خوفی سے آزاد آدمی یہ سوچتا ہے کہ جس نے اختلاف کی جسارت کی ہے اور گردن نہیں جھکائی ہے' اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے جینا دو بھر کر دیا جائے' اس کے سلسلہ روزگار کو درہم برہم کر دیا جائے اور اس کی شخصیت پر الزامات و اتہامات کا تنوں ملبہ گرا دیا جائے۔

اگر نزع کے دو فریقوں میں سے کوئی ایک بھی اس منفی راستے پر قدم رکھنے سے انکار کر دے تو وہ اکیلے ہاتھ سے تالی نہیں بجا سکے گا۔ آخر پہلے بھی تو مولانا مودودیؒ نے مثال قائم کی اور جماعت کے لوگ اب بھی اس کے زیر اثر کئی حملہ آوروں کے حملہ ہائے پے در پے کے باوجود ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔ کیا کسی کے لیے اس میں کوئی سبق نہیں؟

یہاں تک بھی ایک بات ہے کہ آپ ایک بار دل کا سارا لاوا اگل لیں' اس پر بس نہیں تو دو بار سہی' مگر کسی "امرفی سبیل اللہ" کے لیے اول درجے کے دماغوں کا میدان میں آ جانا' کچھ کا اگلے مورچوں سے فائر کرنا اور کچھ کا دور پیچھے گائیڈنگ کیمپ کے تہہ خانوں میں بیٹھ کر حکم جاری کرنا' اخبارات و رسائل میں مضامین کی اشاعت' پمفلٹوں کی مہم' پھر ریشمی رومال تحریک کی طرح مکاتیب کی مہم' مراسلوں کا اجراء' ملک کے اندر ہی نہیں بین الاقوامی دائرے میں بھی' پھر کسی کی حمایت سے بعض افراد کو روکنے کے لیے ان پر وفود کے ذریعے سماجی دباؤ --- آخر یہ کوئی اسلامی یا شریفانہ اختلاف کے طریقے ہیں؟ پھر اپنی اپنی صفیں الگ کرنے کی کوششیں ایسی ہیں جیسے کوئی انتخابی معرکہ یا ریفرنڈم در پیش ہے کہ ایک فریق زیادہ سے زیادہ ووٹ اپنی طرف جمع کر رہا ہے' دوسرا اپنی طرف۔

کیا رسہ کشی کے اکھاڑے کی ایسی داستانیں جماعت اسلامی کی روئیدادوں یا تاریخ کا جزو بننے کے قابل ہیں؟

(تحریکی شعور' ۱۹۸۹' ص ۲۸۸ تا ۲۹۹)

ج۔ رفع اختلافات کا دینی طریقہ

کوئی بھی اجتماعیت اس حقیقت کو نظرانداز کر کے قائم نہیں کی جا سکتی' چاہے وہ مسجد کی کمیٹی ہو یا پارلیمنٹ' یا ریاست کہ افراد انسانی میں مختلف مسائل' معاملات' تدابیر واقدامات کے بارے میں اختلافات ضرور ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر معقول اجتماعیت وہ طریقہ بھی ضرور متعین کرتی ہے جس کے تحت تمام اختلافات کسی ایک خط پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں' یا اگر عقلی حد تک رہیں بھی تو وہ عملی کام میں حائل نہیں ہوتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی اجتماعیت نے اختلافات کے بارے میں یہ طریقہ وضع کیا ہے:

اولین معیار فیصلہ چونکہ یہاں الکتاب اور الرسول ہے' اسی وجہ سے جو امور صراحتہ "کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہوں' ان میں کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ ایسے معاملات میں صرف آمنا وصدقنا کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ منصوص معاملات میں اگر راہیں الگ الگ ہو جائیں اور ہر شخص کی تقسیم حلال و حرام اور تمیز جائز و ناجائز جدا جدا ہو تو کسی اجتماعیت کے قائم رہنے یا چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہاں' نصوص کی تعبیرات اور ان کے انطباقات میں نقطہ ہائے نظر کا فرق ہو سکتا ہے۔ یہ فرق اہل علم' سلف کے قابل اعتماد مفسرین و محدثین اور فقہاء کی تحقیقاتوں کی مدد سے بہ دلائل واضح کر کے نقطہ اتفاق پیدا کر سکتے ہیں۔ بیشتر معاملات میں اجماع اور قرون اولیٰ سے اب تک کا یکساں تعامل امت فیصلہ کن ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر تعبیر و تاویل کے جزئی اختلافات رہیں تو وہ اگلی قسم کے مسائل کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔

اسلامی اجتماعیت کا اصل دائرہ اختلاف "تدابیر و مصالح" سے تعلق رکھتا ہے۔ کب کیا بات کہی جائے؟ کیا اقدام مناسب ہو گا؟ کس رویے میں دین کی خیر خواہی اور ملت کی بہبود یا انسانیت کی فلاح ہے؟ کس صورت میں تحریک اسلامی کا چہرہ زیادہ روشن ہو سکتا ہے؟ کس رخ پر چلنے سے دعوت حق کی راہیں کھلتی اور آسان ہوتی ہیں؟ کس چیلنج کا کیا جواب دینا مناسب ہو گا؟ کس شخص یا گروہ کے بارے میں کیا رائے رکھی اور بیان کی جائے؟ الجھنوں کے جنگل میں کیسے راستہ بنانا ہو گا؟ کس شکل میں اجتماعیت کی زیادہ قوت مجتمع ہو سکتی ہے اور وحدت کی صف مضبوط ہو سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اختلافی امور کی اسی دوسری صنف میں تعبیر نصوص یا انطباقات احکام کا ہر وہ معاملہ بھی داخل ہو جائے گا جس کا حل اجماع یا تعامل امت یا علمائے سلف کی کاوشوں سے نہ ہو سکے۔

اس ذیل کے اختلافی امور کے لیے اصول مشاورت مقرر کیا گیا ہے' جس کے بعد اور کوئی طریقہ حل اختلافات موجود نہیں ہے۔ یہاں آ کر تمام بحثوں کو ختم ہو جانا چاہیے۔

مشاورت کے اساسی ضوابط

اسلامی مشاورت کے اساسی ضوابط حسب ذیل ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ نجویٰ اور جتھہ بندی سے اجتناب

اہم مسائل و معاملات کو اولی الامر (اربابِ مشاورت اور صاحبِ امر) کے حوالے کرنا چاہیے۔ یعنی پہلے سے نہ اس پر ایسی کھلی بحثیں ہونی چاہئیں کہ مختلف افراد اور گروہوں کے اندر حتمی آراء تشکیل پا جائیں، نہ کسی ایک دوسرے نقطہ نظر پر گروپ یا جتھے بن جانے چاہئیں، بلکہ گفتگوئیں محض مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہوں اور کوئی آدمی کسی خاص رائے کو نہ تو حتمی فیصلے کے طور پر پیش کرے، نہ ایسے فیصلے کے حق میں نجویٰ convassing کر کے فضا ہموار کرے، اور نہ ہم خیالوں کا جتھہ بنائے۔ ا۔

۲۔ رائے کا اظہار

جس سطح پر رائے طلب کی جائے، وہاں ہر شخص دیانتداری سے اپنی رائے دے۔ بلا خوف لومتہ لائم۔ کیونکہ کسی شخص کے اندر جو رائے بھی مفادِ دین اور مصلحت مسلمین اور خیر خواہی انسانیت کے لیے پیدا ہو وہ ایک امانت ہے، جو دیانت داری سے ادا کرنی چاہیے۔ اپنی رائے کے حق میں پورے دلائل دیے جائیں۔ امکانی اعتراضات اور متقابل کے شبہات کے بارے میں وضاحتیں کی جائیں۔ پھر جب آدمی یہ حق ادا کرے تو وہ اپنی بڑی ذمہ داری سے فارغ ہوا۔ اب یہ کام متعلقہ فرد، افراد، یا مجلس کا ہے کہ وہ کشادہ دلی سے غور کریں اور استفادہ کریں۔

ا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اصحابِ امر یا اہلِ قیادت یا اکابر عمائد بھی جتھہ بندی کر کے معاملات و امور کو پہلے سے اپنے درمیان طے کرنے سے مجتنب رہیں۔ اکابر اگر اس طریق نجویٰ کو مسلک بنا لیں تو پھر کسی خرابی کا حل نہیں، بلکہ اس سے ہر طرف بگاڑ پھیلے گا۔ ارکان شوریٰ اور عام ارکان کو کڑی نظر رکھنی چاہیے کہ مشورے کے کام میں ایسا نجویٰ وجود میں نہ آ جائے جو معاملات و امور کو بالا تر پہلے ہی سے طے کر دے اور باقی ارکان کا کام صرف انگوٹھا لگانے کا ہو۔ سوچنے سمجھنے کے دروازے بند۔ معصومانہ سازش کے اس راستے سے جمہوری دائرے میں آمریت اور دینی دائرے میں پیری مریدی پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک وقت آتا ہے کہ خام اور کھوکھلے لوگ نظم کے اندر زیادہ گھس آتے ہیں۔ وہ نہ اتنا مطالعہ رکھتے ہیں اور نہ اتنا تفکر جس کی مانگ تحریک اسلامی کرتی ہے، للذا ان کے لیے سہل صورت یہ ہوتی ہے کہ دو چار سوچنے والے دماغ سوزی کا کام کر کے پکی پکائی کھیر ان کے سامنے رکھ دیں اور وہ پکار دیں "واہ واہ، ہمارا ووٹ آپ کے ساتھ ہے" "جو رائے امام کی، وہی مقتدی کی" حتیٰ کہ بعض اصحاب تو اب یہ تک چاہتے ہیں کہ مرکز کا یہ اشارہ سمجھ میں آ جائے کہ وہ کس شخص کو اہمیت دے کر آگے کرنا چاہتے ہیں، بس وہ بھی فوراً اسی کے حق میں آواز اٹھا دیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ دانے پر اصرار سے اجتناب

کسی شخص کو اپنے متعلق عقل کل ہونے کا ادعا اور دوسروں کے مقابلے میں ذہنی برتری کا احساس لاحق نہیں ہونا چاہیے' کہ بس جو کچھ میں نے کہا ہے اسے ضرور مانا جانا چاہیے۔ دوسروں کو بھی حسن نیت سے آراستہ سمجھنا چاہیے' اور تسلیم کرنا چاہیے کہ دوسرے بھی سوچتے ہیں' دوسروں کے اندر بھی اپنی اپنی آراء ابھرتی ہیں' دوسروں کے دلائل بھی قابل توجہ ہوتے ہیں' اور دوسروں سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔

۴۔ اجتماعی فیصلہ قبول کرنا

پھر جب ہر طرف سے آراء سامنے آ چکیں تو کسی دینی مشاورتی مجلس کی فضا جو رنگ اختیار کرے' اور ساری مجلس یا اس کی واضح اکثریت جب کسی فیصلے پر پہنچ جائے' تو اجتماعی نقطہ نظر کو اس کشادہ دلی سے قبول کر لینا چاہیے کہ جیسے وہ بھی اپنا ہی فیصلہ ہو۔ ذہن میں اگر کوئی اختلافی رجحان باقی بھی رہے تو اسے اجتماعیت پر قربان کر دینا چاہیے۔

علی الخصوص جب سربراہ کار کی رائے بھی اکثریتی رجحان کے حق میں دو ٹوک طریق سے سامنے آ جائے تو پھر سمع و طاعت اور ہم آہنگی کی ذمہ داری اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔

اسلامی اصول مشاورت کے تحت کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجتماعی فیصلہ ہو جانے کے بعد پھر اپنی جداگانہ اختلافی رائے کا جھنڈا بلند کرے بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ اس کے الفاظ یا رویے سے کسی طرح کی تکدرانہ بد دلی کا اظہار ہو۔

یہ ہے طریقہ تفردات کے فتنے سے بچ کر اجتماعیت کو مستحکم رکھنے کا۔ اگر حل اختلافات کے لیے ایسی کوئی آخری حد معین نہ کی جائے تو پھر آدمی کی اختلاف پسند فطرت نہ کسی اتحاد کو قائم رہنے دیتی ہے' نہ کسی اجتماعیت کو چلنے دیتی ہے۔

یہی تمام مخلص خادمانِ دین کی روش رہی ہے' یہی اسلامی نظامِ جماعت کے دستور کا تقاضا ہے اور یہی ۴۳ سال سے ہماری اٹل روایت رہی ہے۔ اس اصول و روایت میں خلل ڈالنے کے معنی یہ ہیں کہ ہزاروں افراد کی قربانیوں سے اسلامیت کے قلعے کی جو فصیل اٹھائی گئی تھی' اس میں دراڑیں ڈال دی جائیں' اور ساتھ اپنی بنی بنائی ساکھ کو برباد کر دیا جائے۔ محض اپنی "انا" کے سامنے اتنا قیمتی چڑھاوا پیش کر دینا کوئی اچھی بات نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمع و طاعت کہاں تک ؟

یہ محض خود ساختہ مصلحتی باتیں نہیں ہیں' بلکہ معاملے کے ہر پہلو پر الگ الگ دلائل کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ ان سارے دلائل کو جو شاید بیشتر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں' میں یہاں دہرانا نہیں چاہتا' لیکن اسلامی نظام سمع و طاعت کے متعلق متعدد ہم معنی احادیث میں سے صرف ایک کو یہاں نقل کرتا ہوں :

عن جنادۃ بن امیہ' قال : دخلنا علی عبادۃ ابن صامت و ھو مریض' فقلنا حدثنا اصلحک اللہ بحدیث ینفع اللہ بہ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' قال' دعانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا ' فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا و مکرھنا و عسرنا ویسرنا واثرۃ علینا ' ولا ننازع الامر اھلہ' قال' الا ان تروا کفرا بواحا" عندکم من اللہ فیہ برھان۔ (مسلم)

روایت جنادہ بن امیہ کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عبادہ بن صامت کے پاس گئے جو حالتِ مرض میں تھے' پھر ان سے ہم نے کہا کہ اللہ آپ کو شفا دے' ہم سے کوئی حدیث بیان کیجیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور اللہ اسے باعث افادہ بنا دے۔ انہوں نے جواباً" کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (بیعت کرنے کے لیے) فرمایا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو اقرار لیا' جس پر ہم نے بیعت کی' وہ یہ بات تھی کہ سمع و طاعت کے پابند رہیں' پسندیدہ صورتوں میں بھی اور ناپسندیدہ صورتوں میں بھی' آسانی کی حالت میں بھی اور تنگی کی حالت میں بھی ...... اور اس صورت میں بھی کہ ہم دباؤ میں ہوں اور یہ کہ ہم اختیار کے معاملے میں اہلِ اختیار سے نزاع نہ کریں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اضافہ فرمایا کہ "الا' یہ کہ تم صریح و نمایاں کفر (کے صدور) کو دیکھو' جس کے متعلق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔"

اس حدیث کو پڑھ کر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ کسی صحیح دینی اجتماعیت کا معاملہ عام سیاسی پارٹیوں کی طرح کا نہیں ہوتا' جو چیز چاہی مان لی' جس معاملے میں چاہا اختلاف کر کے الگ بیٹھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے' دوسروں میں اپنا اختلافی نقطہ نظر پھیلانا شروع کر دیا' بات کو پریس میں لا کر "المجالس بالامانتہ" کی تعلیم کو پامال کر دیا۔ دینی اجتماعیت کے نظام امر اور نظام مشاورت اور حدود اختلاف کی خلاف ورزی گناہ ہے جس کے سرزد ہونے کے بعد توبہ کے علاوہ کوئی راہ نجات نہیں۔

[اس حدیث میں تین اہم امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:]

۱۔ اطاعت

اس حدیث اور ایسی متعدد احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی فیصلوں اور اربابِ امر کے احکام کی اطاعت خوش گواری اور ناخوشگواری' آسانی اور تنگی کی مختلف حالتوں میں کی جائے گی۔ بلکہ آدمی جب محسوس کرتا ہو کہ اس کی پرخلوص رائے اور اس کا محکم استدلال دوسروں کی کثرتِ رائے یا صاحبِ امر کے نقطہ نظر کے بوجھ سے دب گیا ہے' تب بھی اسے اطاعت کرنی چاہیے۔ اور ایسا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ اس کے رویے' اس کے الفاظ' اس کے لہجے یا چہرے کے رنگ سے بھی دیکھنے والوں کو یہ تاثر ہو کہ اس شخص کو اجتماعی فیصلے یا صاحب امر کے حکم سے کوئی تکدر ہے۔

۲۔ اہلِ امر سے نزاع

دوسری اہم بات اس میں یہ ہے کہ اہل امر سے اختیار چھیننے یا اس اختیار کو کمزور کرنے یا اسے کم اثر بنانے کے لیے بحثا بحثی اور شدت اختلاف اور اظہار رنج اور جتھا بندی کے ذریعے شمہ بھر بھی کوشش نہ کی جائے۔ جو لوگ شریک مشورت ہوتے ہیں وہ بھی "امر" سے ایک گونہ تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی اکثریت کو بے وزن اور ناقابل احترام قرار دینا بھی نزاع کی تعریف میں داخل ہے اور سربراہ تو کسی اسلامی نظام جماعت کو چلانے کی آخری ذمہ داری رکھتا ہے اور پوری جماعت کے سامنے سب سے بڑھ کر جوابدہ ہوتا ہے۔ وہ جب رفقائے مشورت کی بحثیں سن کر ان کے غالب رجحان کی بنیاد پر ایک فیصلہ دیتا ہے کہ یہ بات یوں طے ہوئی تو اس بات کو نہ ماننا یا زبان سے مان کر عمل سے اس کا حق ادا نہ کرنا' یا مثبت سرگرمی کے بجائے منفی انداز سے ذہنی برودت کا مظاہرہ کرنا' یہ ساری صورتیں نزاع فی الامر سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ حدِ اطاعت

تیسری بات یہ ہے کہ حدیث کی رو سے بگڑ جانے یا تیزی کرنے یا مختلف رائے سامنے لانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے صرف ایک ہی حتمی بنیاد ہے' اور وہ یہ کہ کھلے کھلے کفر کا صدور اصحاب امر یا ارباب مشورت کی طرف سے ہو' اور کھلے کفر کا اطلاق محض جذبات کی بنیاد پر نہ کیا جائے' بلکہ آدمی کے پاس اللہ کی طرف سے صاف صریح دلیل ہونی چاہیے۔

یہ ہے کسی اسلامی نظام جماعت میں طاعت کی آخری حد۔ اگر لوگ اس آخری حد کے آنے سے پہلے ہی ہر اختلاف پر منہ پھیرلیں تو نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تیز رو ندی جو چٹانوں کو ریلتی جاتی ہو' کئی دھاروں میں تقسیم ہو جائے' اور چھوٹے چھوٹے دھارے اس قابل بھی نہ ہوں کہ راستے میں جمع ہو جانے والے انبار خس و خاشاک کو بہا لے جا سکیں۔ وہی ندی جسے عبور کرنا جان جوکھوں کا کام تھا' اب اس کے چھوٹے چھوٹے دھاروں اور باریک نالیوں کو بچے بھی الانگنے لگیں گے۔ اختلاف جب اپنی حدود کا پابند نہ رہے تو پھر اجتماعیت کا قائم رہنا ممکن نہیں رہتا۔ سمع و طاعت کے دینی اصولوں اور دیرینہ عملی روایات کو اگر توڑا جانے لگے تو پھر کسی فرد کی بھی سربراہی اور کسی مجلس کی مشاورت کی قوت کام نہ کر سکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم شریعت کے نظامِ سمع وطاعت' اس کے ضابطۂ مشاورت اور اہلِ امر کے حقوق کو اچھی طرح سمجھیں اور ان کو قدم قدم پر ملحوظ رکھیں۔

آمریت سے اجتناب

یہاں دو ایک وضاحتیں ضروری ہیں۔ اصولی بات تو بیان ہو گئی' مگر ہماری دینی کوششوں کے لحاظ سے ذہنی جھکاؤ حفاظت نظم کی طرف زیادہ ہے' اور فرد اور معاشرے کے حقوق نسبتاً کمزور حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خلافت راشدہ تک جو دور اقتدار چلا وہ عوامی رجحانات اور مشاورتی تقاضوں کے حدود میں کسا رہا۔ لیکن یہ نظام چونکہ اخلاقی ساخت رکھتا ہے اس لیے امیر کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں' ان پر وہ تنقیدوں سے چاہے تو زیادہ اثر نہ لے' اور مشاورت کے لیے بھی اپنی پسند کے افراد کو جمع کر لے' اور جدھر سے اختلافی اور احتسابی بات اٹھ سکتی ہو ایسے لوگوں کو دور پھینک سکتا ہے' یا ان کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا سکتا ہے' اور یوں آہستہ آہستہ آمریت کا راستہ بنتا ہے۔ میرا مطالعہ احادیث ناقص ہے' مگر اتنا تاثر ۔ نے لیا ہے کہ نظامِ اسلامی کا نام لیتے ہوئے اگر کوئی شخص ایک آمری شخصی نظام کی طرف گاڑی کو موڑنے پر اتر آئے تو یہ پورے دین اور پوری ملت کا بھاری نقصان ہے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان کو دور کرنے کے لیے زبان اور قلم کی طاقت جائز طریق ہے اور محتاط انداز سے استعمال کرنا لازم ہے۔ پھر اگر معاشرے کا درستی احوال کے لیے عام تقاضا پیدا ہو جائے تو وہ اپنے راستے خود بناتا رہتا ہے۔

میرے نزدیک کسی کی انسانی اطاعت کو خدا کے حکم کے تحت لا کر جب اطاعت بالمعروف کہا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کوئی اطاعت معروف کو قائم کرنے اور منکر کو توڑنے والی ہو' اور وہ مجموعی مصلحت دین اور مجموعی امت کے لیے باعث ضرر نہ ہو۔

یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی بعض فیصلوں کی عملاً یا قولاً" مخالفت نہ کرے' جب تک کہ وہ صریحاً" قانونِ شریعت اور اخلاقِ اسلامی کے مخالف نہ ہوں' مگر بعض فیصلوں کے خلاف اس کے دل میں کوئی دوسرا نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص ضمیر کو بالکل کچل نہیں سکتا' اور ایسے نقطہ ہائے نظر کو مصلحتاً اگر روکنا پڑے تو نظم کی خاطر وہ روکے ضرور جا سکتے ہیں' مگر کبھی کبھار گفتگوؤں' تقریروں' تحریروں میں نہایت خفیف درجے میں جھلک بھی سکتے ہیں۔ یہ کمزور انسان کی فطرت کی مجبوری ہے۔

اگر کوئی اقتدار' یا جماعت' لوگوں کو ایسی بہت سی پیچیدگیوں میں آئے دن مبتلا کرتی رہے' اور ان کے اضطراریات کا لحاظ کیے بغیر اپنی مرضی اپنے حامیوں کے تعاون سے ٹھونستی چلی جائے' تو آہستہ آہستہ انتشار اور بحران کی وبا پھیلتی جاتی ہے' اور ایک وقت آتا ہے کہ نہایت اچھے بنے بنائے کارکنوں کے خیالات کو صحیح پٹڑی پر ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اطاعت کرانے کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے' ان کا کام یہ ہے کہ ان شرائط کو ضرور پورا کریں جن سے رضا کارانہ جذبہ اطاعت بڑھتا ہے۔ یہ دو طرفہ کام ہے۔ اگر حالات میں خلل ہو گا تو ذمہ داری دونوں طرف تقسیم ہو گی۔ کسی ایک فریق کو پاک صاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

واضح رہے کہ نبیؐ کی قیادت اور خلفائے راشدینؓ کی قیادت اور دوسرے صلحاء کی قیادت کو بر بنائے عدالت و دیانت اور بر بنائے محبت فرد و محبت ملت نیز اپنے رتبہ عوامیت اور اہتمام مشاورت کی وجہ سے جو محکم اعتماد حاصل رہتا ہے' ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اعتماد پورے معیار کے ساتھ یا ایک بڑی حد تک ہر جگہ موجود ہو۔ اس روح و جوہر میں اگر کمی ہو تو باقی صرف دستور اور ضابطے اور سرکلر اور فلاں مجلس اور فلاں مجلس کے فیصلے رہ جاتے ہیں۔ ہر قیادت کی اصل قوت' محبت و اعتماد ہے'۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ چند سطور میں نے اس شعور کی روشنی میں لکھی ہیں جو تاریخ اور اجتماعی ہیئتوں میں کام کرنے والے قانون کے متعلق مجھے حاصل ہو سکا ہے۔

(تحریکی شعور' ۱۹۸۹ء' ص ۳۰۱ تا ۳۱۱)

د- اختلافات کے باوجود اتحاد

مسلمانوں کی بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ اسلام کے لیے کام کرنے کو بار بار اٹھتے اور جمع تو ہوتے ہیں' لیکن ذرا ذرا سے اختلافات پر آپس میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر آگے چلتے ہیں' پھر اختلافات کی چھری ایک ٹکڑی کو کاٹ کر الگ کر دیتی ہے۔ جماعتیں بن بن کر بکھر جاتی ہیں۔ اتحاد قائم ہوتے ہیں اور نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ قائم و دائم ہے تو وہ ہے تفرقہ!

مصیبت اصلاً" یہی ہے کہ "اختلافات کے باوجود اتحاد" کی صف بنانا اور اسے قائم رکھنا ہمیں نہیں آتا۔ ہم اختلافات سے عہدہ برا ہونے کی صحیح ترکیب نہیں جان سکے ہیں۔ خدا و رسولؐ کے جس دین کی سربلندی کا مشن لے کر اٹھے ہیں' اس نے آداب اختلاف اور طریقہ ہائے حل نزاع بھی ہم کو بتائے تھے۔ ان کو ہم جانتے بھی ہیں' مگر عملاً جب اختلافات کی آزمائش پیش آتی ہے تو وہ طریقے فراموش ہو جاتے ہیں۔ ہمارے قریبی بزرگ اور ساتھی جن کو اختلافات و نزاعات کے حل کے لیے غیر جانبدارانہ انداز سے کام کرنے کو موجود ہونا چاہیے' وہ وقت پر خود جانبدار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں' اور اپنے مرتبہ قیادت اور دانشوری کے باوجود خادمان دین کو اختلافات سے پیدا ہونے والے خطروں سے نہیں بچا سکتے۔

جس دن اس مسئلے کا حل مسلمانان عالم نے نکال لیا' اس دن کوئی مزاحمت ہمارے سامنے کھڑی نہ رہ سکے گی اور اس مدعا کے لیے فکری اور عملی رہنمائی بہم پہنچانا تحریکِ اسلامی پر بدرجہ اشد لازم ہے۔ اس دور کا سب سے مشکل کام یہی ہے!

(تحریکی شعور' ۱۹۸۹' ص ۳۰۰)

© rasailojaraid.com